خطباتِ حرم

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

لَبَّیْكَ ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ
لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ
لَبَّیْكَ ، اِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِیْكَ لَكَ

"میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر
ہوں، میں حاضر ہوں،
تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔
یقیناً ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے
سارے احسانات تیرے ہی ہیں۔
بادشاہی سراسر تیری ہے۔
تیرا کوئی شریک نہیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مئی ۱۹۶۳ء میں حج کے موقع پر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے
یہ تقریریں ۵، ۶، اور ۷، ذی الحجہ کو نمازِ عصر کے بعد حرم پاک میں
زمزم کے مقام پر سے کی تھیں۔)

پہلا خطبہ

حمد و ثنا کے بعد:-

برادرانِ اسلام! یہ ہم سب کی انتہائی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے اس گھر کی زیارت کا شرف بخشا اور یہ موقع نصیب فرمایا کہ ہم یہاں حج کے لئے آئیں اور اُن "آیاتِ بیّنات"[1] کو دیکھیں جو اس سرزمین میں عموماً اور خانۂ کعبہ اور مسجدِ حرام میں خصوصاً نمایاں طور پر نظر آرہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں آکر ایک آدمی اگر کھلی آنکھوں سے دیکھے اور سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کو ہر طرف اللہ کی نشانیاں ہی نشانیاں نظر آئیں گی جنہیں دیکھ کر اس کا دل ایمان سے بھر جائے گا۔

حضرات! آج سے چار ہزار برس پہلے یہ جگہ بالکل ایک سنسان وادی تھی۔ دنیا سے الگ تھلگ، اس ریگستان میں، اِن پہاڑوں کے درمیان، اس وادی میں اللہ کا ایک بندہ آتا ہے اور ایک چاردیواری کھینچ کر اعلان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اور دنیا بھر کو پکار دیتا ہے کہ آؤ اس کا حج کرو۔ اب دیکھئے آخر کیا بات ہے کہ چار ہزار برس سے دنیا بھر کے انسان اس پکار پر لبیک لبیک کہتے ہوئے اس گھر کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں اور آج تک تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا ہے کہ اس کا حج اور اس کے گرد طواف نہ ہوا ہو۔ کوئی دوسرا انسان ذرا ہمت کر کے کوئی جگہ بنا کر تو دیکھے

---

[1] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف جس میں اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کے متعلق فرمایا ہے کہ:
فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ "اس میں روشن نشانیاں ہیں" (آل عمران - ۹۷)

اور اس کو قبلۂ عالم بنانے کے لئے اپنی سی پوری کوشش کر کے دیکھ لے۔ اسے خود معلوم ہو جائے گا کہ کتنے انسان اس کی طرف کھنچ کر آتے ہیں۔ یہ صریح علامت ہے اس بات کی کہ حضرت ابراہیمؑ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ انہوں نے فی الواقع اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اس کے حکم سے یہ گھر بنایا تھا۔ اُن کے بنائے ہوئے اس گھر کو واقعی اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت عطا فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ ہی کا حکم تھا جس کے تحت انہوں نے دنیا کو حج کی دعوتِ عام دی تھی۔ اسی وجہ سے اس گھر کو اور اس دعوتِ عام کو یہ کشش نصیب ہوئی کہ صدہا برس سے دنیا بھر کے انسان اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ قرآن مجید اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی تھا جس نے اس گھر کی تعمیر کے لئے اس جگہ کو منتخب فرمایا اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اس کام کرنے کے لئے دنیا بھر کو پکار دیں:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ (الحج: ۲۶-۲۷)

"اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کی جگہ تجویز کی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھ اور لوگوں کو حج کے لئے پکار دے کہ وہ آئیں تیرے پاس ہر دُور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار۔"

حضرات! یہ اسی فرمانِ خداوندی کی برکت ہے کہ آج لاکھوں آدمی لبیک لبیک اللّٰھم لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہوئے فوج در فوج یہاں آ رہے ہیں اور پروانوں کی طرح اس خانۂ کعبہ کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یہ اُن آیاتِ بیّنات میں سے اولین اور نمایاں ترین نشانی ہے جو اس گھر میں آپ دیکھ رہے ہیں۔

اب ذرا ایک اور نشانی ملاحظہ فرمایئے۔ اس گھر کی تعمیر جب ہوئی تھی اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا تھا کہ ہم اسے لوگوں کا مرکز و مرجع ہی نہیں بلکہ امن کا گھر بھی بنا دیں گے۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (البقرہ: ۱۲۵) اس اعلان پر چار ہزار برس گزر چکے ہیں، اور

اس وقت سے آج تک یہ امن ہی کا گھر بنا ہوا ہے۔ نہ صرف یہ خود امن کا گھر ہے بلکہ جس شہر میں یہ واقع ہے وہ بھی امن کا شہر ہے اور اس کے گرد و پیش کئی کئی میل تک کا پورا رقبہ ایک ایسا حرم ہے جس کے اندر کسی نوعیت کی بدامنی نہیں ہو سکتی۔ آج روئے زمین پر اس حرم پاک کے سوا کوئی دوسرا گز بھر کا خطہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جسے اس معنی میں حرم ہونیکا شرف حاصل ہو، اور آج ہی نہیں کبھی دنیا میں کوئی دوسرا ایسا حرم نہیں پایا گیا جس کا وہ احترام کیا گیا ہو جو اس حرم کا ہوا ہے۔ اس کی حرمت کا اندازہ آپ اس بات سے کیجئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ڈھائی ہزار برس کا زمانہ عرب کی سر زمین میں ایسا گزرا ہے جس میں یہ ملک نظم و آئین سے محروم تھا۔ یہاں کوئی حکومت نہ تھی۔ کوئی قانون نہ تھا۔ ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ قتل و خون اور غارتگری کا زور تھا۔ کسی کے لئے جان، مال اور عزت و آبرو کی امان نہ تھی۔ لیکن اس پورے ملک میں صرف یہ حرم پاک ہی ایک ایسا خطہ تھا جہاں ان ۲۵ صدیوں کے دوران میں کامل امن قائم رہا۔ عرب کے وہ لوگ جو شوقیہ خونریزی اور لوٹ مار کرتے تھے، جن کے قبائل میں سو سو برس تک مسلسل لڑائیاں ٹھنی رہتی تھیں اور پشت در پشت انتقام کا چکر چلتا رہتا تھا، ان کا بھی یہ حال تھا کہ اس حرم کے حدود میں پہنچتے ہی ان کے ہاتھ رک جاتے تھے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں پا لیتا تھا تو اس سے انتقام نہ لے سکتا تھا۔ یہ اس کے سوا اور کس چیز کا نتیجہ مانا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس خطۂ پاک کو حرم اور امن کا گھر بنا دیا تھا۔ یہ اللہ جل شانہٗ کے فرمان ہی کی برکت تھی کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا "جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا" (آل عمران: ۹۷) اللہ کی قدرت کے سوا دنیا میں کوئی طاقت اس انتہائی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانے میں ڈھائی ہزار برس تک یہاں امن قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ اسی نشانی کی طرف اللہ تعالیٰ کفارِ قریش کو توجہ دلاتا ہے کہ:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط (عنکبوت: ۶۷)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پُر امن حرم بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ اُچکے جا رہے ہیں"

اس سے بھی زیادہ بڑے پیمانے پر ایک اور نشانی ہے جو اس سرزمین میں پائی جاتی ہے۔ آپ ذرا وسیع نگاہ سے عرب کی تاریخ اور عرب کے ملک پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عربی قوم کا ایک قوم کی حیثیت سے باقی رہنا اور عربی زبان کا اس قوم کی زبان کی حیثیت سے زندہ رہ جانا بھی اسی بیت اللہ کی برکت کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں آج کوئی ملک ایسا نہیں پایا جاتا، نہ کبھی پایا گیا ہے جس کا رقبہ تو اتنا وسیع ہو جتنا عرب کا ہے اور پھر اس پورے ملک میں ایک ہی زبان بولی جاتی ہو۔ اور دنیا میں کوئی ایسا ملک بھی نہ آج موجود ہے، نہ کبھی موجود رہا ہے جس میں چار ہزار برس سے ایک ہی زبان بولی جا رہی ہو۔ اتنی لمبی مدّت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں، اور اتنے وسیع و عریض ملکوں میں ایک نہیں، بیسیوں بلکہ سیکڑوں زبانیں بن جاتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جس ملک میں ہزاروں برس تک بدامنی اور بدنظمی رہی ہو، اور جو ملک صدیوں قبائلی لڑائیوں کی آماجگاہ بنا رہا ہو، اس کے اندر تو یہ وحدت باقی رہ جانا بالکل ہی ایک عجوبہ ہے۔ لیکن یہ معجزہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس سرزمین میں کر کے دکھا دیا، اور اس کا ذریعہ یہی خانۂ کعبہ اور یہی حج تھا۔

یہ خانۂ کعبہ اور یہ حج اس کا ذریعہ کیسے بنا؟ اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو مرکز و مرجع (مَثَابَۃً لِّلنَّاس) بنایا اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس کا حج کرنے کی دعوتِ عام دیدیں، تو اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ فرما دیا کہ سال میں چار مہینے (ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرّم حج کے لئے اور رجب عمرے کے لئے) حرام قرار دیدیئے جائیں۔ حکم دیدیا گیا کہ ان چار مہینوں میں لڑائی بند رہے، حج اور عمرے کے لئے آنے جانے والوں کو کوئی نہ چھیڑے، اور اُن جانوروں پر بھی کوئی ہاتھ نہ ڈالے جو قربانی کے لئے بیت اللہ کی طرف لائے جا رہے ہوں۔ یہ حکم صرف ایک بندۂ خدا کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی حکومت نہ تھی۔ اس کے پاس کوئی فوج، پولیس یا عدالت نہ تھی کہ اس کے زور سے وہ اس قانون کو جاری کرتا۔ مگر اس کی پشت پر اللہ رب العالمین کی طاقت تھی جس کے زور سے یہ حکم

نافذ ہوا اور عرب کے باشندے نسلاً بعد نسلٍ اس کی پیروی کرتے چلے گئے۔

اس حکم کی برکت یہ تھی کہ عرب کی سرزمین کو ہر سال چار مہینے امن و امان کے میسّر آجاتے تھے جن سے فائدہ اٹھا کر ملک کے ہر گوشے سے قافلے بیت اللہ کی طرف آتے تھے، قبائل کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے، آزادانہ تجارت ہوتی تھی، میلے لگتے تھے، شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے تھے، اور عرب کے دوسرے حصّوں میں بھی قافلوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ اس طرح عربوں میں ایک قوم ہونے کا احساس زندہ رہا۔ ان کی زبان محفوظ رہی اور وہ تمام عربوں کی ایک ہی زبان بنی رہی۔ ان کی ثقافت اور ان کی روایات باقی رہیں۔ اور یہ قوم کٹ کٹ کر مر جانے سے بچ گئی۔ یہ سب کچھ اسی گھر کا صدقہ اور اسی گھر کا کرشمہ ہے۔ اس کی بدولت ایک قوم مرنے سے بچی، ایک زبان مٹنے سے بچی اور ایک ملک کے اندر ایک ہی زبان اور ایک ہی تہذیب برقرار رہی۔ یہ گھر نہ ہوتا اور یہ حج نہ ہوتا تو ہزاروں برس کی بدامنی و بد نظمی اور طوائف الملوکی سے عرب قوم اور عربی زبان اور عربی ثقافت کبھی کی مٹ چکی ہوتی۔

ایک اور نشانی ملاحظہ ہو۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں اپنی ایک بیوی اور ایک بچّے کو لا کر چھوڑا تھا اُس وقت یہاں کوئی شہر تو درکنار برائے نام کوئی چھوٹا سا گاؤں تک نہ تھا۔ اس حالت میں ان کی زبانِ پاک سے یہ دعا نکلتی ہے کہ:

رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (ابراہیم: ۳۷)

"اے ہمارے پروردگار، میں نے اپنی نسل کا ایک حصّہ لا کر بے آب و گیاہ وادی میں بسا دیا ہے، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے پروردگار، اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار ہوں۔"

اب دیکھیے کہ اس دعا کا ایک ایک لفظ کس طرح پورا کیا گیا۔ اِس بیت اللہ کے گرد یہ شہر مکّہ آباد ہوا۔ حج نے اس کو تمام عرب کا مرکز بنا دیا۔ تجارتی قافلے عرب کے ہر حصّے سے یہاں آنے لگے اور یہاں سے گزرنے لگے۔ اسلام سے صدیوں پہلے یہ شہر ایک تجارتی منڈی بن چکا تھا اور دنیا بھر کا مال کھنچ کھنچ کر یہاں آتا تھا۔ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مکّہ کے بازاروں میں آپ کو نہ مل جاتی ہو۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے کہ:

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا۔ (القصص: ۵۷)

"کیا ہم نے اہلِ مکّہ کے لئے ایک پُرامن حرم نہیں بنا دیا ہے جس کی طرف ہر طرح کے پھل کھچے چلے آتے ہیں۔ ہماری طرف سے رزق کے طور پر"؟

حضرات! عرب اور عربی قوم اور عربی زبان پر یہ ساری عنایات جس مقصدِ عظیم کے لئے فرمائی گئی تھیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک دعا کو پورا کرنا تھا جسے قرآن مجید ان الفاظ میں نقل کرتا ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ع (البقرہ: ۱۲۷-۱۲۹)

"اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو

وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ "اے ہمارے رب، ہماری اس سعی کو قبول فرما لے، یقیناً تو سب ہی کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب، اور ہم دونوں کو اپنا مسلم (فرمانبردار) بنالے اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم ہو، اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہمارے قصور معاف کر، بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ اے ہمارے رب، اور ان لوگوں کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، یقیناً تو ہی زبردست حکیم ہے۔"

یہ تھا وہ اصل مقصد جس کے لئے عرب قوم اور عربی زبان کو زندہ رکھنے کا وہ اہتمام فرمایا گیا تھا جس کی تفصیل ابھی آپ نے سنی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی یہ دعا، اور اس کے نتیجے میں آخر کار اسی شہر "مکہ" سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا اور پھر یہیں سے ایک عظیم الشان اُمتِ مسلمہ کا اٹھنا جو دنیا میں قیامت تک کے لئے توحید کی علمبردار بنی، یہ اللہ جل شانہٗ کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جس کا مشاہدہ آپ اس حرم پاک میں کر رہے ہیں۔

یہی شہر مکہ ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا آغاز فرمایا تھا اور یہی صفا کی پہاڑی ہے جس پر کھڑے ہو کر حضورؐ نے سب سے پہلے قریش کے خاندان کو نام بنام پکار کر اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی تھی۔ اس شہر کے سرداروں نے حضورؐ کی اس دعوت کو دبا دینے کے لئے اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ یہ حرم کی زمین، یہ ابوقبیس کا پہاڑ اور یہ مکہ کی گھاٹیاں، سب اس ظلم و ستم کے گواہ ہیں جو ۱۳ سال تک حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ پر توڑا گیا تھا۔ مگر آخر کار اُن سب لوگوں نے نیچا دیکھا جنہوں نے دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نیچا دکھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ دیکھ لیجئے، آج یہاں ابوجہل اور ابولہب کا نام

لینے والا کوئی نہیں ہے اور اس حرم کے میناروں سے پانچوں وقت اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کی آواز بلند ہو رہی ہے۔

یہی خانۂ کعبہ ہے جس کی دیوار کے نیچے ایک روز رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حال یہ تھا کہ مکہ میں ہر طرف مسلمانوں پر بے تحاشہ ظلم ہو رہا تھا۔ اس حالت میں حضرت خبّاب بن الارت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللّٰہ اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، کیا آپ ہمارے لئے دعا نہ فرمائیں گے؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا: "یہ کام تو پورا ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب ایک مسافر صنعاء سے حضرت موت تک بے خوف و خطر سفر کرے گا۔ مگر تم لوگ بے صبری کر رہے ہو۔" اللّٰہ کے رسولؐ کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی اور چند سال کے اندر ہی وہ وقت آگیا جب اسلام کی حکومت نے پورے جزیرۃ العرب میں مکمل امن قائم کر دیا۔

یہی خانۂ کعبہ ہے جس کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے ایک مرتبہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کنجی مانگی تاکہ بیت اللّٰہ میں داخل ہو کر عبادت کریں۔ اس نے نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ حضورؐ کے ساتھ سخت بدکلامی کی۔ آپؐ خاموشی کے ساتھ اس کی ساری سخت سست باتیں سنتے رہے اور پھر بڑی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا: "اے عثمان تم دیکھو گے کہ ایک روز یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور مجھے اختیار ہوگا کہ جسے چاہوں دیدوں۔" عثمان نے کہا "اگر ایسا ہوا تو وہ دن قریش کے لئے ہلاکت اور ذلت کا دن ہوگا۔" حضورؐ نے فرمایا "نہیں، وہ قریش کے لئے عزت اور سرفرازی کا دن ہوگا۔" یہ قول بھی پتھر کی لکیر ثابت ہوا۔ اس بات کو دس سال سے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اسی عثمان بن طلحہ کو حضورؐ نے حکم دیا کہ کلیدِ خانہ کعبہ پیش کرے۔ اس نے بے چون و چرا حاضر کر دی۔ حضرت عباسؓ نے باصرار درخواست کی کہ اب کلید برداری کعبہ کی خدمت بنی ہاشم کے سپرد کر دی جائے لیکن حضورؐ نے وہ کنجی اسی عثمان بن طلحہ کو عطا کی اور فرمایا: خذوھا خالدۃ تالدۃ لا ینزعھا منکم الا ظالم۔ "لے لو اسے ہمیشہ کے لئے تم سے اس کو کوئی نہ چھینے گا مگر ظالم۔" یہ ارشاد بھی پورا ہو کر رہا۔ آج تک اس گھر کا کلید بردار

وہی خاندان چلا آرہا ہے جسے فتح مکہ کے روز حضورؐ نے اس کی کنجی سپرد فرمائی تھی۔

یہی شہر مکہ ہے جس کے لوگوں سے حضورؐ نے اپنی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں فرمایا تھا کہ میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں جسے اگر تم مان لوگے تو عرب اور عجم سب اس کی بدولت تمہارے تابع فرمان ہو جائیں گے؛ کلمة واحدة تعطونها تملكون بها العجم وتدين لكم بها العرب۔ قریش کے لوگوں نے اس وقت اس بات کو جھوٹ سمجھا تھا۔ وہ اس کے برعکس اپنی جگہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کلمے کو ہم نے قبول کر لیا تو تمام عرب ہم پر ٹوٹ پڑے گا اور ہماری ریاست تو کیا، ہمارا وجود بھی یہاں باقی نہ رہ سکے گا۔ وہ کہتے تھے کہ اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا "اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو ہم اپنی جگہ سے اُچک لئے جائیں گے"۔ لیکن اللہ کے رسولؐ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ لفظ بلفظ پورا ہو کر رہا۔ قریش کے جن لوگوں نے حضورؐ کی یہ بات اپنے کانوں سے سنی تھی انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چند سال کے اندر عرب اور عجم سب خلافتِ اسلامیہ کے تابعِ فرمان ہو گئے اور قریش ہی کے خلفا اس عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یہ گھر صرف عرب کا مرکز تھا اور عرب ہی اس کے حج کے لئے آتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کرایا کہ حَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ۔ "جہاں بھی تم ہو، نماز میں تم اپنا رخ اسی کی طرف پھیرو" اور جب مالکِ زمین و آسمان نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے یہ فرمان صادر کیا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا۔ "اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج جو شخص بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو"، تو یہ گھر تمام دنیا کے لئے مرکز و قبلہ بن گیا۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اس گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے موجود نہ ہوں، اور کوئی خطہ

زمین ایسا نہیں ہے جہاں سے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے اس کا حج کرنے کے لئے نہ آرہے ہوں۔ جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان احکام کا اعلان ہوا تھا اس وقت اسلام کا نفوذ واثر صرف مدینۂ طیبہ اور اس کے گردو پیش ایک چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھا۔ کوئی شخص بھی اُس وقت یہ اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ یہ احکام تمام روئے زمین پر اور اتنے بڑے پیمانے پر نافذ ہوں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب دس دس لاکھ آدمی دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر یہاں جمع ہوں گے۔ خداوند عالم کی طاقت کے سوا اور کونسی طاقت ایسی ہوسکتی تھی جو اس خانۂ کعبہ کو یہ مقبولیت، یہ مرکزیت اور یہ کشش عطا کر دیتی۔

حضرات! یہ اللہ عزوجل کی بے شمار نشانیوں میں سے چند نمایاں نشانیاں ہیں جن کی طرف میں نے آپ کو توجہ دلائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سرزمین میں آنے کی سعادت بخشی ہے تو آپ اس کا پورا فائدہ اٹھائیں اور یہاں سے گہرا، سچا اور پختہ ایمان لے کر جائیں۔ یہاں اللہ کی جو نشانیاں نظر آتی ہیں وہ آدمی کا دل اس یقین سے بھر دینے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ یہ گھر واقعی بیت اللہ ہے، اس کے بنانے والے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام حقیقت میں اللہ کے رسول تھے، اور جن عظیم الشان ہستی کی بدولت یہ گھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شرک وبت پرستی سے پاک ہو کر تمام دنیا کے اہلِ توحید کا قبلہ اور مرکز ومرجع بنا اس کی نبوت ورسالت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

دوسرا خطبہ

حمد و ثنا کے بعد:

برادرانِ اسلام، ہر عبادت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے مراد وہ عملی شکل ہے جو کسی عبادت کو ادا کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے اور باطن سے مراد وہ معنی ہیں جو اس شکل میں مضمر ہوتے ہیں اور جن کے اظہار کی خاطر عمل کی وہ شکل مقرر کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نماز کا ظاہر یہ ہے کہ آدمی قبلہ رُخ کھڑا ہو، رکوع کرے، سجدہ کرے، بیٹھے اور ان ظاہری افعال سے نماز کی جو شکل قائم کی جاتی ہے اس سے مقصود دراصل اس معنی کا اظہار ہے کہ بندہ اپنے رب کے حضور بندگی کا اعتراف کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے، اس کے مقابلے میں اپنی انانیت سے دستبردار ہو رہا ہے، اس کی بڑائی اور اپنی عاجزی تسلیم کر رہا ہے، اور اس کے آگے اپنے وہ معروضات پیش کر رہا ہے جو اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ اب دیکھئے جو شخص نماز کی ظاہری شکل کو ٹھیک ٹھیک احکام و ہدایات کے مطابق قائم کر دے وہ بلاشبہ ادائے نماز کی قانونی شرائط پوری کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، یا اس کے ذمہ فرض باقی رہ گیا۔ لیکن آپ غور کریں گے تو خود محسوس کریں گے کہ نماز کا پورا پورا فائدہ وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو نماز کے اعمال میں سے ہر عمل کرتے وقت اس کی روح کو بھی نگاہ میں رکھے، اور نماز کے اذکار میں سے ہر ذکر کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کے معنی کی طرف بھی متوجہ رہے۔

ایسا ہی معاملہ حج کا ہے۔ اس کو ادا کرنے کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اس پر آپ خواہ سمجھ کر عمل کریں یا بے سمجھے بوجھے، بہرحال جب آپ شارع کے مقرر کردہ

مناسک ادا کر دیں گے تو حج ادا ہو جائے گا، اور فرض سے یقیناً آپ سبکدوش ہو جائیں گے۔ لیکن حج کی اس ظاہری شکل کے ہر ہر جُز میں جو معنی پوشیدہ ہیں ان کو بھی اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور حج کے اعمال انجام دیتے وقت ہر عمل کی غرض و غایت کی طرف بھی متوجہ ہوں تو اس سے مقصدِ حج کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ حج کے فوائد سے پوری طرح متمتع ہوں گے۔ اسی غرض کے لئے آج میں آپ کے سامنے حج کے اعمال میں سے ایک ایک عمل کے معنی سیدھے سادھے اور مختصر طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

احرام

اعمالِ حج میں سب سے پہلا عمل احرام ہے۔ باہر سے آنے والا کوئی حاجی میقات سے اس وقت تک نہیں گزر سکتا جب تک وہ اپنا لباس اتار کر احرام نہ باندھ لے اور اسی طرح مکہ معظمہ سے حج کی نیت کرنے والے کو بھی سب سے پہلے لباس تبدیل کر کے احرام باندھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک انتہائی فقیرانہ لباس ہے جس میں آدمی بس ایک تہمد باندھ لیتا ہے، ایک چادر کندھوں پر ڈال لیتا ہے، اور سر ننگا رکھتا ہے۔ یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے۔ مگر غور سے دیکھئے کہ اس ذرا سے فعل میں کتنے گہرے معنی پوشیدہ ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حج شروع کرنے سے پہلے ہمارے وہ سارے لفافے اتروا دینا چاہتا ہے جو ہم نے اپنے اوپر ڈال رکھے ہیں، جن کے اندر ہم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنی اصل حقیقت سے کچھ نہ کچھ زائد بنا رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم بندے ہو اور بندے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو۔ لہٰذا میرے دربار میں حاضر ہونا چاہتے ہو تو صرف بندے بن کر آؤ۔ تم کہیں کے بادشاہ یا صدرِ مملکت ہو تو ہوا کرو۔ کوئی جنرل ہو، وزیر ہو، رئیس ہو یا جو کچھ بھی ہو، ہوتے رہو۔ میرے حضور میں تمہیں اپنی یہ ساری حیثیتیں ختم کر کے صرف ایک بندے کی حیثیت سے آنا ہوگا۔ اس طرح احرام کا یہ لباس

ہر انسان کو بندگی کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے، اُس کی ہر شانِ امتیاز مٹا دیتا ہے، اور ایک بڑے سے بڑے شخص کو بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی سطح پر لے آتا ہے۔ آپ حالتِ احرام میں حاجیوں کے کسی مجمع پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو آپ کو کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ ان میں کون اونچا اور کون نیچا ہے، کون امیر اور کون غریب ہے، کون حاکم اور کون محکوم ہے۔ اللہ کے دربار میں سب ایک ہی طرح کے فقیر نظر آئیں گے۔

اونچ نیچ برابر کرنے کے ساتھ یہ احرام مسلمانوں کے درمیان تمام قومی، نسلی اور وطنی امتیازات بھی ختم کر دیتا ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے ہر حصے سے چل کر آتے ہیں۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب، ہر طرف سے ملک ملک کے لوگ طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے اپنے گھروں سے چلتے ہیں۔ مگر جونہی کہ وہ مرکزِ اسلام سے ایک خاص فاصلے پر پہنچتے ہیں، ان کو یکایک میقات کی سرحد پر روک کر ان کے تمام قومی لباس اُتروا دیئے جاتے ہیں اور سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا جاتا ہے تاکہ خداوندِ عالم کے دربار میں جب وہ حاضر ہوں تو انسان اور مسلمان کے سوا اور کچھ نہ ہوں۔ مسلمانوں کے اندر ملّتِ واحدہ ہونے کا احساس پیدا کرنے کی اس سے زیادہ کارگر تدبیر شاید ہی کوئی دوسری ہو سکے۔ آپ کے سامنے لاکھوں حاجیوں کا ایک سیلِ رواں ہوتا ہے جس میں سیکڑوں قومیتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گزر رہے ہوتے ہیں۔ مگر یہ احرام کی برکت ہے کہ ہر دیکھنے والی نگاہ ان کو ایک ملّت اور ایک ہی قوم کی حیثیت سے دیکھتی ہے اور ان کے سارے وطنی و نسلی امتیازات دب کر رہ جاتے ہیں۔

پھر یہ احرام آدمی کی حیوانیت سے دُور اور ملائکہ کے مقام سے قریب کر دیتا ہے۔ اس حالت میں وہ کوئی جوں تک نہیں مار سکتا۔ کوئی بال تک نہیں اُکھاڑ سکتا۔

کسی جانور کا شکار خود کرنا تو درکنار دوسرے کو کسی قسم کی مدد بھی شکار میں نہیں دے سکتا۔ اپنے جسم کی زینت و آرائش بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتی۔ اس کی اپنی بیوی بھی اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے جو عام حالات میں اس کے لئے حلال ہے، حتیٰ کہ وہ اس کی طرف کسی شہوانی میلان تک کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے فحش گوئی، بدکلامی، لڑائی جھگڑا، سب کچھ ممنوع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے خادم کو بھی ڈانٹنے کا مجاز نہیں رہتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام باندھتے ہی آدمی اللہ کا فقیر بن گیا اور اس نے تمام خواہشاتِ نفس کو تیاگ دیا۔ اب دنیا کی ہر چیز کو اس کی طرف سے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اب کسی کو اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ اب وہ کسی کے لئے بھی جبّار و قہار اور ظالم نہیں رہا۔ اب وہ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہونے اور کبریائی کا ہر شائبہ اپنے نفس سے نکال دینے کے بعد بس ایک بندۂ عاجز ہے جو اپنے خدا کے حضور اپنی نیازمندی پیش کرنے کے لئے جا رہا ہے۔

حضرات! یہ ہے احرام کی اصل روح۔ آپ جب غسل یا وضو کر کے احرام باندھتے ہیں اور ان قواعد کی پابندی کرتے ہیں جو حالتِ احرام کے لئے مقرّر کئے گئے ہیں، تو اس سے عمل کی صرف ظاہری شکل قائم ہوتی ہے۔ یہ شکل بناتے ہوئے اگر آپ کا ذہن اس تصور سے خالی ہو کہ یہ شکل آپ نے کیوں بنائی ہے تو یہ گویا ایک جسم ہو گا جس میں جان نہ ہو۔ جان اس میں اُسی وقت پڑے گی جب آپ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ اپنے اندر وہ باطنی کیفیات بھی پیدا کر لیں جو درحقیقت احرام سے مقصود ہیں۔ قانون کی نگاہ میں تو ہر شخص مُحرِم ہے جس نے احرام کی پابندیوں میں سے کسی کو نہ توڑا ہو۔ مگر خدا کی نگاہ میں اصل مُحرِم وہی ہے جو احرام باندھتے ہی فی الواقع ایک فقیر اور ایک بندۂ عاجز بن کر رہ گیا ہو، جس نے اپنے دماغ سے کبریائی کی ہوا نکال دی ہو، جس نے قومی و نسلی تعصّبات کو بھی اپنے ذہن سے نکال باہر کیا ہو

جو خلقِ خدا کے لئے سراپا رحم اور خیر مجسّم بن گیا ہو، اور جس نے حیاتِ دنیا کی زینتوں سے منہ موڑ کر کم از کم یہ چند دن تو صرف اپنے رب سے لَو لگانے کے لئے خاص کر لئے ہوں۔

تلبیہ احرام باندھنے کے بعد آپ تلبیہ شروع کر دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

"میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے، سارے احسانات تیرے ہی ہیں، بادشاہی سراسر تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ان الفاظ پر غور کیجئے۔ ان کے اندر خود یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ غلام کو اس کے آقا نے طلب کیا ہے اور غلام اس کے جواب میں لبیک لبیک کہتا ہوا اور اپنے مالک کی تعریف کے گن گاتا ہوا دوڑا چلا جا رہا ہے۔ بیت اللہ کی طرف طلبی ہوئی، اس نے عرض کیا، میں حاضر۔ عرفات بلایا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ مزدلفہ طلب کیا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ منیٰ طلب کیا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ اس ساری دوڑ دھوپ کے دوران میں یہ الفاظ آپ زبان سے کہتے رہیں تو قانون کا تقاضا پورا ہو جائے گا مگر اس تلبیہ کی اصل روح یہ ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے آپ اپنے دل کی گہرائیوں میں فی الواقع یہ محسوس کریں کہ آپ اللہ کے بندے اور غلام ہیں، اس کی طرف سے آپ کی طلبی ہوئی ہے، اور جہاں جہاں حاضر ہونے کی طلبی ہوتی جا رہی ہے وہاں وہاں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس لبیک میں ایک نشہ ہے جو لازماً ہر اس بندۂ حق پر طاری ہو جائے گا جسے یہ احساس ہو کہ خداوندِ عالم کی طرف سے اس جیسی ناچیز ہستی کی طلبی ہو رہی ہے۔

ے یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے۔

حرم کی حاضری

باہر سے آنے والے ہر حاجی کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے، اور یہی اس کو کرنا بھی چاہیئے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد جلدی سے جلدی حرم میں حاضر ہو۔ پھر جب وہ حرم میں داخل ہوتا ہے اور بیت اللہ پر اس کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال کا کرشمہ ہے، اور اس کا دل بے اختیار خانۂ کعبہ کی طرف کھنچتا ہے جو اللہ جل شانہٗ کی محبت کا فطری تقاضا ہے۔ اس موقع پر اپنے دل اور زبان سے اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر کہنا چاہیئے اور پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیئے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا۔

"خدایا اس گھر کو زیادہ سے زیادہ عظمت و شرف اور بزرگی اور دبدبہ عطا فرما، اور اسے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا مرکز بنا دے۔"

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْکَ السَّلَامُ، فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ۔

"خدایا تو ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اور عیوب و آفات سے سلامتی جس کو بھی نصیب ہوتی ہے تیری ہی طرف سے نصیب ہوتی ہے، لہٰذا اے پروردگار، ہمیں جسم و روح کی سلامتی کے ساتھ جینے کی توفیق عطا فرما۔"

ضروری نہیں ہے کہ یہ دعائیں آپ عربی زبان ہی میں مانگیں۔ اصل چیز ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ اُس مضمون کی دعا اللہ سے مانگنا ہے جو ان فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو عربی الفاظ یاد کرنے اور پڑھنے میں دِقّت ہو تو آپ اسی مضمون کی دعا اپنی زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔

طواف

حرم میں پہنچنے کے بعد ہر حاجی کو طواف کرنا ہوتا ہے۔ اگر احرام

باندھتے وقت اس نے تمتع یا قِران کی نیت کی ہو تو وہ عمرے کا طواف کرتا ہے[1]، اور اگر اِفراد (یعنی صرف حج) کی نیت کی ہو تو طوافِ قدوم کرتا ہے۔ پھر یوم النحر کو اُسے طوافِ اِفاضہ اور مکّہ چھوڑتے وقت طوافِ وداع بھی کرنا ہوتا ہے۔ اور ان ضروری طوافوں کے علاوہ بھی یہ ایک ایسی نفلی عبادت ہے جس کا موقع باہر سے آنے والوں کو صرف زمانۂ قیامِ مکّہ میں ہی نصیب ہو سکتا ہے، اس لئے اس موقع سے جتنا بھی فائدہ اٹھایا جا سکے اٹھانا چاہیئے۔

یہ طواف کیا ہے؟ یہ انسان کے اس فطری جذبہ کا اظہار ہے کہ جس ہستی کو وہ اپنا منعم و محسن سمجھتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے اس پر اپنے آپ کو فدا کرے، اس کے گرد گھومے اور صدقے اور قربان ہو۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس سے بالاتر ہے کہ ہم اُسے پا سکیں اور اس کے گرد گھوم سکیں۔ اُس نے ہمارے اس جذبے کی تسکین کے لئے اس خانۂ کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا ہے اور ہمیں ہدایت کی ہے کہ مجھ پر فدا ہونے کی جو خواہش تمہارے دل میں ہے اُسے میرے اس گھر کا طواف کر کے پورا کر لو۔ پس جب آپ اس گھر کا طواف کریں تو عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اس طرح طواف کیجئے جیسے ایک عاشق اپنے محبوبِ حقیقی کے صدقے ہو رہا ہے۔

ہر طواف کی ابتدا حجرِ اسود کے بوسے یا استلام سے ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک پتھر کا بوسہ نہیں ہے بلکہ محبوب کے سنگِ آستاں کا بوسہ ہے۔

اسی طرح طواف اور مقامِ ابراہیمؑ کی دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد مُلتزَم سے چمٹ کر جو دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہوئے مانگنی چاہئیں کہ یہ ہمارے مالک کے گھر کی چوکھٹ ہے۔ مالک خود تو اس سے بالاتر ہے کہ ہم اس کا دامن

---

[1] تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ کر کے احرام کھول لے اور پھر حج کا وقت آنے پر نئے سرے سے احرام باندھے۔ اور قِران یہ ہے کہ آدمی ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں کرے۔

تھام سکیں۔ ہماری نارسائی پر ترس کھاکر اس نے یہ گھر ہمارے لئے بنادیا ہے تاکہ اس کے دامن سے لپٹ کر اپنی آرزوئیں پیش کرنے کی جو تمنّا ہمارے دل میں ہے اُسے ہم اُس کے گھر کی چوکھٹ سے لپٹ کر پورا کرلیں۔

طواف کے دوران میں پڑھنے کے لئے جو لمبی چوڑی دعائیں بعض لوگوں نے لکھی ہیں، اُن کا یاد کرنا اور پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ اور یہ طریقہ تو بالکل ہی فضول ہے کہ ایک معلّم آگے آگے دعا پڑھتا جارہا ہے اور حاجیوں کی ایک ٹولی کی ٹولی اس کی غلط سلط نقل اتارتی جارہی ہے۔ طواف کے لئے اِن دعاؤں کو شریعت نے ہرگز لازم نہیں کیا ہے، اور نہ اس بے معنی طریقے سے ان کو ادا کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ بس یہ کافی ہے کہ آپ طواف شروع کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کی طرح ہاتھ اٹھائیں اور بِسْمِ اللهِ اَللهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہہ کر طواف شروع کردیں، پھر دَورانِ طواف میں اللہ کا ذکر کرتے چلے جائیں اور اس سے دعا مانگتے جائیں۔ ذکر کے لئے سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور اَللهُ اَكْبَرُ کے الفاظ کافی ہیں۔ کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دعا جو کچھ بھی آپ کے دل سے نکلے اور جس زبان میں بھی آپ مانگ سکیں، مانگتے رہیں۔

حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لئے جو ہجوم اور دھکا پیل لوگ کرتے ہیں یہ ایک ناروا فعل ہے، بلکہ اس میں ایک دوسرے کی جو سخت مزاحمت کی جاتی ہے وہ تو حج کو ضائع کرنے والی حرکت ہے خصوصاً عورتوں کا تو اس دھکا پیل میں گھسنا تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ شریعت نے آپ پر لازم نہیں کیا ہے کہ آپ ضرور حجرِ اسود کو بوسہ ہی دیں۔ یہ کام اگر مزاحمت کے بغیر نہ ہوسکتا ہو تو ہر چکّر کے خاتمہ پر حجرِ اسود کے سامنے پہنچ کر اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا اور اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا شرعاً بالکل کافی ہے۔

جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس میں اضطباع اور رمل بھی کیا جاتا ہے۔

اضطباع یہ ہے کہ احرام کی چادر کو سیدھے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا جائے اور دایاں شانہ کھلا رکھا جائے۔ اور رمل یہ ہے کہ پہلے تین طواف شانے ہلا ہلا کر چھوٹے چھوٹے قدم ڈالتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ کئے جائیں۔ یہ دراصل اس واقعے کی یادگار ہے کہ صلح حدیبیہ کی قرار داد کے مطابق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تھے تو کفارِ مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مدینے کی آب وہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ پہلے تین طوافوں میں اضطباع اور رمل کریں تاکہ کفار کے سامنے اہلِ اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہو۔ اسی یادگار کو آج تک باقی رکھا گیا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کا اکڑ کر چلنا ویسے تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، مگر جب اُس کے دشمنوں کے سامنے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ چال اختیار کی جائے تو پھر یہی چال اللہ کو محبوب ہو جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچتے ہیں اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس مقام پر جو پتھر رکھا ہے یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں، پھر اسی پر کھڑے ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ویران وسنسان مقام پر تمام خلق کو حج کے لئے پکارا تھا اور اسی پکار کے جواب میں آج آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ پھر یہ پتھر خانۂ کعبہ کی دیوار سے متصل رکھا ہوا تھا۔ بعد میں اسے موجودہ مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے نماز کی جگہ بنالو۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ طوافِ کعبہ کے بعد یہ دو رکعتیں اسی فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں پڑھی جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں رہنی چاہیئے کہ تمام دنیا کے لئے قبلہ

مسجد حرام ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کے لئے قبلہ خانۂ کعبہ ہے، اور مسجد حرام کی نمازِ باجماعت کے لئے امام کا قبلہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کو حج کے لئے پکارا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ خود بھی اسی مقام پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور آج بھی حرم کی نمازِ باجماعت کا امام اسی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرنے اور مُلتَزَم پر دعا کرنے کے بعد آپ زمزم پر آتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ پھر عمرے کی تکمیل کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرتے ہیں۔ یہ سب کام آپ غفلت و بے خبری کے ساتھ نہ کریں بلکہ اپنے دل میں سوچیں کہ یہ زمزم کیا جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہیں، یہ پانی کیسا ہے جسے آپ پی رہے ہیں، یہ صَفا کیسی پہاڑی ہے جس سے آپ سعی کی ابتدا کرتے ہیں، اور یہ سات چکر کیسے ہیں جو آپ صَفا اور مَروَہ کے درمیان لگاتے ہیں۔

حضرات! ان میں سے ہر مقام اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے اور اس تاریخ کے اندر ایک درسِ عبرت ہے۔ آج بیت اللہ اور زمزم اور مقامِ ابراہیم علیہ السّلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچّے حضرت اسماعیل کو صرف ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلا کھجوروں کا دے کر بالکل یکہ و تنہا چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کوئی پانی نہ تھا۔ کوئی غذا کا سامان نہ تھا۔ دُور دُور کوئی بستی نہ تھی۔ اور بظاہر یہ دونوں ماں بچے اس سنسان وادی میں قطعی بے سہارا تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب انہیں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ ان کے پیچھے چلیں۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں، مگر وہ خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا "کیا یہ کام آپ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں؟" انھوں نے فرمایا "ہاں"۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا، اگر یہ بات ہے تو اللہ یقیناً ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا۔ پھر وہ پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر اپنے بچے کے پاس

آکر بیٹھ گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اس وادی سے نکلنے لگے تو پلٹ کر انہوں نے وادی کی طرف رُخ کیا اور اللہ سے دعا مانگی کہ:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (ابراھیم: ۳۷)

"اے پروردگار، میں نے اپنی نسل کا ایک حصہ ایک بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب لا بسایا ہے۔ اے پروردگار، یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہاں نماز قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچیں اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکرگزار ہوں۔"

دیکھئے، کیا شانِ تسلیم و رضا اور کیا شانِ توکل علی اللہ تھی اُس شوہر اور باپ کی جس نے اللہ رب العالمین کا اشارہ پاتے ہی اپنی بیوی اور بچے کو ٹھنڈے دل سے اس بے آب وگیاہ وادی میں لاکر چھوڑ دیا۔ اور کس درجے کا یقین و اعتماد اپنے خدا پر تھا اُس خاتون کو جو یہ معلوم ہو جانے کے بعد بالکل مطمئن ہو گئی کہ اسے اور اس کے ننھے بچے کو اللہ کے حکم سے یہاں یکہ و تنہا چھوڑا جا رہا ہے۔

جب پانی اور کھجوروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور دونوں ماں بچے بھوک پیاس سے تڑپنے لگے تو حضرت ہاجرہؓ اس زمزم کے مقام پر بچے کو لٹا کر صفا کی پہاڑی پر پہنچیں تاکہ چاروں طرف نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ کہیں کوئی مدد کرنے والا ہے، پھر صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف دوڑیں اور اس پر چڑھ کر پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی مدد کرنے والا نظر آئے۔ اس طرح ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان وہ مسلسل سات دفعہ دوڑیں۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سُنی۔ یقین نہ آیا کہ یہ

واقعی کسی کی آواز ہے۔ پھر کان لگا کر سُنا اور وہی آواز آئی۔ زمزم کی طرف دیکھا جہاں نیچے کو لٹا کر گئی تھیں تو ایک شخص نظر آیا جو دراصل اللہ کا فرشتہ تھا۔ اس نے زمین پر پاؤں مارا اور یکایک ایک چشمہ نکل آیا۔ پھر اس نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا، اطمینان رکھو، اللہ تمہیں ضائع کرنے والا نہیں ہے، یہاں اللہ کا گھر بننے والا ہے جسے تمہارا یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا۔

حضرات! اسی واقعہ کی یادگار یہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو آج عمرے اور حج میں کی جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے صَفا سے سعی کی ابتدا کی تھی، اس لئے ہماری سعی بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ انہوں نے سات چکر لگائے تھے، اس لئے ہم بھی سات چکر لگاتے ہیں۔ انہوں نے سعی کے بعد آکر پانی پیا تھا، کیونکہ اس سے پہلے یہاں پانی موجود نہ تھا۔ ہم سعی سے پہلے اللہ تعالیٰ کے معجزے سے پیدا ہونے والا یہ پانی پیتے ہیں، کیونکہ اب وہ موجود ہے۔ یہ سارے کام جو حضرت ہاجرہؓ کے اُس فعل کی نقل کے طور پر کئے جاتے ہیں، ان کی اصل روح یہ ہے کہ ہم اپنے اندر وہی تسلیم و رضا، وہی توکل علی اللہ اور وہی یقین و اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کا حیرت انگیز مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؓ نے کیا تھا۔ ہمیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کام کا حکم اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہے تو پھر کوئی خطرہ، کوئی اندیشہ ہمیں اس کی تعمیل سے باز نہ رکھ سکے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس بھروسے پر چھلانگ لگا دیں کہ جس خدا نے اس ظاہری خطرے میں کود جانے کا ہمیں حکم دیا ہے وہ ہمیں ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ ہماری بھلائی اسی کام میں ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہ درس جس نے بھی یہاں سے حاصل کر لیا وہ آبِ زمزم پینے اور صَفا و مروٰہ کے درمیان دوڑنے کے سارے روحانی فوائد لوٹ لے گیا۔

یہ بات بھی جان لیجئے کہ ان مناسک کو ادا کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیئے۔ آپ زمزم کا پانی پیئیں تو اللہ سے دعا کریں کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَّاسِعًا، وَعِلْمًا نَّافِعًا، وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ۔

"خدایا میں تجھ سے فراخ روزی، نفع بخش علم، اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔"

صفا پر چڑھیں تو کعبے کی طرف رُخ کر کے کہیں:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد اللہ اکبر علی ما ھدانا والحمدُ للہ علیٰ مَا اَوْلَانَا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ وحدہٗ لَا شریکَ لہٗ، لَہُ الْمُلْکُ ولہ الحمدُ یُحیِیْ ویُمیت، بیدہ الخیر وھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر۔ لا الٰہ الا اللہ وَحدہٗ، لا شریکَ لہ، اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ لا الٰہ الا اللہ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ، مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

• "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اسی کے لئے ساری تعریف ہے۔ ہم اللہ کی بڑائی کرتے ہیں، اس شکر میں کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی اور اس کی تعریف کرتے ہیں اُن احسانات پر جو اس نے ہم پر کئے ہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے، اسی کے اختیار میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی معبود اکیلے اللہ کے سوا نہیں ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی اور سارے جتھوں کو اسی اکیلے نے شکست دے دی۔ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں، ہم

اسی کی بندگی کرتے ہیں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

یہی کچھ آپ مروہ پر بھی کہیں، اور صفا و مروہ کے درمیان چلتے ہوئے یہ دعا کرتے جائیں کہ:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔

"اے رب، بخش دے اور رحم کر، ہمارے ان سارے قصوروں سے درگزر فرما جو تیرے علم میں ہیں، تو سب پر غالب اور بڑا کریم ہے۔"

حج

آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو تمام حاجی مکّہ معظمہ سے حج کے لئے نکلتے ہیں، اور جن لوگوں نے تمتع کرتے ہوئے عمرے کے بعد احرام کھول لیا تھا وہ بھی نئے سرے سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اب اصل حج شروع ہوتا ہے۔ یہ لاکھوں احرام بند حاجی بیک وقت مکّے سے چل کر لبیک لبیک کہتے ہوئے ۸ر ذی الحجہ کو منیٰ جا اُترتے ہیں۔ پھر یہی مجمعِ عظیم ۹ر ذی الحجہ کی صبح کو بیک وقت لبیک لبیک کہتا ہوا چلتا ہے اور حدودِ حرم سے باہر جا کر عرفات کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔ پھر اسی روز شام کو یہ پورا مجمع اٹھتا ہے اور لبیک لبیک پکارتا ہوا مزدلفہ جا اترتا ہے۔ پھر دس ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے حاجیوں کا یہ سیلاب لبیک کہتا ہوا اٹھتا ہے اور منیٰ واپس پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ سب لوگ لبیک کہتے ہوئے جمرۂ عقبہ کی طرف چلتے ہیں اور اس پر سات کنکریاں مارتے ہیں۔ پھر یہ لوگ منیٰ ہی میں قربانی کرتے ہیں۔ پھر سب سر کے بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں۔ پھر جوق در جوق مکہ معظمہ پہنچ کر طواف اور سعی کرتے ہیں۔ پھر منیٰ واپس ہو کر دو دن یا تین دن قیام کرتے ہیں اور ان ایام میں ہر روز تینوں جمروں پر رمی کرتے ہیں۔ یہی اعمال ہیں جن کا نام حج ہے۔

جو لوگ عبادت کے معنی اور حج کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آخر یہ کیسی دوڑ دھوپ ہے جس کے لئے دنیا بھر سے کھینچ کر لاکھوں آدمیوں کو بُلایا جاتا ہے؟ اور یہ کیا عبادت ہوئی کہ مکّہ سے اٹھے اور منیٰ پہنچ گئے، وہاں سے اُٹھے اور عرفات جا ٹھیرے، پھر یہ چلے اور مزدلفہ میں رات گزار دی، پھر منیٰ پہنچے اور وہاں ایک پتھر کو کنکریاں مار دیں؟ لیکن آپ ذرا سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس ساری دوڑ دھوپ میں جو زحمت آدمی کو پیش آتی ہے، جو تکلیفیں اس کو اٹھانی پڑتی ہیں، جس مشقت اور بے آرامی سے اس کو سابقہ درپیش ہوتا ہے۔ جس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بے ٹھکانے ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں یہ سب کچھ برداشت کرنا تو اصل عبادت ہے۔ عمرے میں طواف وسعی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ فرداً فرداً کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے لئے ایک دن عرفات جا ٹھیرنا ایک رات مزدلفہ میں گزار دینا اور دو چار روز منیٰ میں ٹھیر جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اسی لئے عمرہ کرنے والے کو ان کاموں میں سے کوئی کام بھی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن حج میں لاکھوں آدمیوں کو بیک وقت یہ دوڑ دھوپ کرنی ہوتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ ثروت آدمی بھی زحمتیں اٹھائے اور آسائشوں سے محروم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حج کی اجتماعی عبادت میں طواف وسعی سے زائد یہ مناسک رکھے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ہر بندۂ مومن میں یہ کیفیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے ہر آسائش سے دستکش ہونے اور اس کی راہ میں ہر زحمت اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہی اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے۔ یہی بندگی کے معنی ہیں اور یہی اس عبادت کی روح ہے۔ اس عبادت کے دوران میں جو شخص ان ساری تکلیفوں کو پورے اطمینان اور قلب و روح کی پوری مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے، اور اپنے ساتھ کے حاجیوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا، بلکہ

سخت کشمکش کے مواقع پر بھی صبر و ضبط سے کام لیتا ہے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے وہ حج کا ثواب لوٹ لیتا ہے اور اس کے برعکس جو شخص اپنی ہر بے آرامی پر چیں بجبیں ہوتا ہے، ہر زحمت پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے، اور ساتھ کے حاجیوں سے اپنے آرام کی خاطر مزاحمت کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے وہ حج کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ اُس بیچارے کے حصے میں خالص مشقت ہی رہ جاتی ہے۔ اجر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیئے کہ حج کے ان اعمال کو ادا کرتے وقت آپ خواہ کچھ بھی نہ پڑھیں اور وقت پر نماز ادا کر دینے کے سوا کوئی دوسرا عمل نہ کریں، تب بھی حج پورا ہو جائے گا اور بجائے خود حج کا جو ثواب ہے وہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر بد قسمت ہے وہ شخص جسے اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا یہ نادر موقع نصیب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مکہ معظمہ سے نکلنے کے بعد یوم النحر کی پہلی رمی تک بہترین ذکر یہ ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ تلبیہ کرے اور اس شعور کے ساتھ کرے کہ میرا مولیٰ اب منیٰ بلا رہا ہے تو میں حاضر ہوں، اب عرفات بلا رہا ہے تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں، اب مزدلفہ بلا رہا ہے تو اس کے لئے بھی حاضر، اور اب رمی کے لئے منیٰ طلب کر رہا ہے تو اس کے لئے بھی حاضر۔ ہر مرتبہ لبیک کہتے ہوئے آپ محسوس کریں کہ رب العالمین کی طرف سے آپ کی طلبی ہو رہی ہے اور آپ اس کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ میں حاضر ہوں۔ اس احساس کے ساتھ جب آپ بار بار لبیک کہیں گے تو انشاء اللہ آپ کے دل میں ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہو گی اور روح اس کے اندر وہ لذت پائے گی جس کے مقابلے میں ہر لذت ہیچ ہو جائے گی۔

تلبیہ کے علاوہ بیچ بیچ میں کثرت سے اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کرتے جائیے۔ کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیئے۔ کثرت سے اپنے حق میں، اپنے والدین کے حق میں اور سب مومنین و مومنات کے حق میں دعائے مغفرت کیجیئے اور خاص طور

پر وقوفِ عرفہ کے آخری وقت میں اور قیامِ مزدلفہ کی رات میں تو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر اور دعا و استغفار میں صرف کر دیجئے۔ پھر ایامِ تشریق میں منیٰ کے قیام کا زمانہ فضول مشاغل میں نہ ضائع کیجئے، بلکہ اسے خیر اور صلاح کی تبلیغ میں، دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ روابط پیدا کرنے میں، اور اعلائے کلمۃ الحق کی فکر و سعی میں صرف کیجئے تاکہ حج کے روحانی و اخلاقی فوائد کا کوئی پہلو آپ سے چھوٹنے نہ پائے۔

یہ ہیں حج کے معنی اور یہ ہے اس کو ادا کرنے کا صحیح طریقہ۔ میری دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ سب کو یہ فریضہ ٹھیک ٹھیک اس کی اصلی روح کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخرِ دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین۔

تیسرا خطبہ

حمد و ثنا کے بعد:

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی عبادت ایسی فرض نہیں فرمائی ہے جس میں بے شمار روحانی، اخلاقی، اجتماعی، تمدنی اور مادی فوائد نہ ہوں. ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے لئے تو کسی کی عبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے. اس نے جو عبادت بھی بندوں پر فرض کی ہے وہ خود بندوں کی بھلائی کے لئے ہے. اللہ کی ذات ہر احتیاج سے بالاتر اور ہر نفع اور فائدہ کی ضرورت سے بلند تر ہے. لیکن جتنی عبادتیں بھی اس نے فرض کی ہیں ان کا ایک تو مقصد اصلی ہے جس کے لئے وہ فرض کی گئی ہیں اور اس کے علاوہ وہ بے شمار ضمنی فائدے ہیں جو ان عبادات کے انجام دینے سے آپ سے آپ حاصل ہوتے ہیں. اب اگر کوئی شخص نادانی سے ان ضمنی فائدوں کو ہی اصل مقصد قرار دے بیٹھے اور اُس غایتِ اصلی کو فوت کر دے جس کے لئے وہ عبادات فرض کی گئی ہیں تو حقیقت میں وہ اپنی عبادات کو ضائع کرتا ہے. اس کی عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں رہتی. مثال کے طور پر آپ دیکھئے کہ روزے کے بے شمار اخلاقی، روحانی اور جسمانی فوائد ہیں لیکن اگر کوئی شخص روزہ اس لئے رکھے کہ اس کی صحت اچھی ہو جائے گی تو حقیقت میں وہ کوئی عبادت نہیں کرتا. وہ تو بس ایک فاقہ کرتا ہے کہ جو صحت درست کرنے کے لئے کسی ڈاکٹر کی تجویز سے یا خود اپنی رائے سے اس نے کرنا شروع کر دیا ہے. اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور اس میں اس کے پیشِ نظر یہ بات ہوتی ہے کہ اس کی عادت میں باقاعدگی پیدا ہو جائے گی، اس کے اوقات میں نظم و ضبط پیدا

ہو جائے گا، یا اسی طرح کا کوئی اور فائدہ اس کی نگاہ میں ہے، تو حقیقت میں وہ کوئی عبادت نہیں کرتا، جس فائدے کو اس نے نگاہ میں رکھا ہے وہ چاہے اس کو حاصل ہو بھی جائے لیکن عبادت کا کوئی اجر اس کو نہیں پہنچتا۔ ایسا ہی معاملہ حج کا بھی ہے۔ حج کے جو اخلاقی، روحانی، اجتماعی، تمدنی اور مادی فوائد ہیں، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی فائدے کو بھی اپنا مقصود قرار دیتا ہے تو حقیقت میں وہ کوئی حج کرتا ہی نہیں ہے۔ اس کی یہ عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تمام عبادتوں کا مقصودِ اصلی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی پیش کرنا ہے، اُس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے، اگر بندے کو اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو اس کی عبادت کا اصل مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن اگر وہ عبادات میں اپنی ساری دوڑ دھوپ کے باوجود اللہ کی رضا پانے سے محروم رہ گیا تو حقیقت میں اس کی ساری محنت ہی اکارت گئی۔ اس نے عبادت کے حقیقی مقصد اور اصلی فائدے کو ضائع کر دیا۔ اس لئے یاد رکھئے کہ عبادات سے ضمنی فوائد کا حاصل ہونا یا نہ ہونا بجائے خود مقصود نہیں ہے۔ آپ یہاں حج کے لئے آئے ہیں تو آپ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص حج اپنی نیت کو خالص اور پاک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود سمجھتے ہوئے انجام دے۔ اگر کسی شخص نے نیت کے اخلاص اور ارادے کی درستی کے ساتھ حج کیا اور اگر کچھ اور نہیں وہ صرف اپنی مغفرت حاصل کر کے لے گیا، تب بھی وہ حقیقت میں کامیاب ہے۔ اس کے آگے یہ سراسر اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ وہ کسی آدمی کو اس پر مزید اجر اور بلند مراتب سے نوازے لیکن ایک آدمی کا حج کے ذریعے سے اللہ کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کر لینا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس لئے میں آپ کو سب سے پہلی نصیحت یہ کرتا ہوں کہ اپنے ذہن کو ہر طرح کے بے اصل افکار اور غیر حقیقی تصورات سے صاف کر لیجئے اور حج کے مقصودِ حقیقی کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ آج کل حج کے

بارے میں بعض نئے نئے فلسفے پیش کئے جا رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں حج اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ اس سے دراصل مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی سالانہ کانفرنس کرانا مقصود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک سالانہ کانفرنس کے جو کچھ فوائد بھی کوئی شخص اپنے ذہن میں سوچ سکتا ہے اس سے ہزار گنا زیادہ فوائد حج سے عملاً حاصل ہوتے ہیں، لیکن ایسی کوئی کانفرنس دراصل حج کا حقیقی مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ حج کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو عرب کی سیاحت کرنے کا، اس کے تاریخی مقامات دیکھنے کا اور اس کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے حج کو ضائع کرتا ہے۔ اگر اس کے دل میں حج کے مقصد کی حیثیت سے ایسی کوئی غرض اور ارادہ شامل ہو جائے تو فی الحقیقت اس کی یہ عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے اپنی نیت کو خالصۃً اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کیجئے اور اپنے ذہن میں اس خیال کو بٹھائیے کہ ہمارا اصل مقصود اللہ کی رضا حاصل کرنا اور اس کے حضور اپنے جذبۂ عبودیت کو پیش کرنا ہے۔

اس کے ساتھ جو دوسری بات میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے حضور بندگی پیش کرنے کی دنیا میں جتنی شکلیں بھی ممکن ہیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے حج میں جمع کر دی ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک آدمی جس وقت حج کا ارادہ کرتا ہے اگر وہ خالصۃً اللہ کی رضا طلبی کے لئے حج کا ارادہ کر رہا ہے تو اس کا یہ عزم سفر کرنا بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ کوئی دنیوی مقصد لے کر گھر سے نہیں نکل رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر کوئی تجارتی غرض نہیں ہے اور نہ اسے سیر و سیاحت ہی کا شوق چرایا ہے۔ اس نے ہزاروں میل کا سفر کرنے کا ارادہ صرف اس لئے کیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی رضا جوئی کے لئے

تنگ و دو کرے۔ پھر آپ دیکھئے کہ ایک آدمی جب حج کے لئے نکلتا ہے تو اپنے بال بچوں کو چھوڑتا ہے۔ اپنا گھر بار، اپنا کاروبار، اپنے اعزہ واقربا اور اپنے دوست، احباب، غرضیکہ بے شمار علائق و روابط کو توڑ کر نکلتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اللہ کی عبادت انجام دے اور اس کی خوشنودی تلاش کرے۔ اس طرح ہجرت کا اجر اس کو آپ سے آپ مل جاتا ہے۔ ہجرت کے جو اخلاقی اور روحانی فوائد اور منافع ہیں وہ سارے کے سارے اس کو حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہے جو محض اللہ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے۔

اس کے بعد آپ دیکھئے کہ ایک شخص جب مکہ معظمہ پہنچتا ہے تو اس جگہ وہ بے شمار مختلف عبادات انجام دیتا ہے۔ پانچوں اوقات کی نمازیں تو بہر حال وہ آپ سے آپ پڑھتا ہے لیکن اس کے علاوہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، اس سے اُسے اللہ تعالیٰ پر قربان ہونے اور اپنے آپ کو صدقہ کرنے کا اجر نصیب ہوتا ہے۔ یہاں وہ حجرِ اسود کو چومتا ہے، اسی طرح گویا اللہ تعالیٰ کی آستانہ بوسی کرتا ہے۔ پھر وہ ملتزم سے چمٹتا ہے، یہ گویا اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سے چمٹ رہا ہے اور اس سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔ اس طرح اس کو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے کا اجر ملتا ہے، اس طریقے سے اس کو اللہ سے دعا کرنے، اس کے گھر کے گرد طواف کرنے اور اس کی راہ میں سعی و جہد کرنے کا اجر حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان عبادات کے علاوہ حج کے دوران میں وہ منیٰ جاتا ہے، منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آتا ہے۔ مزدلفہ سے پھر منیٰ جاتا ہے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ جہاد سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک آدمی جہاد کے لئے گھر سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکلتا ہے۔ راستے کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ میدانِ

جنگ کی سختیاں جھیلتا ہے۔ قریب قریب اسی طرح کی صعوبتیں اور محنتیں اور مشقتیں آدمی کو اس تمام دوران میں انگیز کرنی ہوتی ہیں۔ اس طریقے سے وہ گویا جہاد فی سبیل اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے۔ پھر وہ یَوْمُ النَّحْر کو (قربانی کے روز) قربانی کرتا ہے۔ اس طرح اس کو قربانی کا اجر بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج جامع عبادت ہے۔ دنیا میں آج تک جتنی ممکن قسم کی عبادتیں انسانوں نے کسی معبود کو پیش کی ہیں وہ ساری کی ساری یہاں ایک بندۂ مومن صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ اسی بنا پر حج کو سب سے بڑی عبادت بھی قرار دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر یہ عبادت انجام دے کر کوئی شخص اپنے گناہوں کی مغفرت ہی حاصل کرلے تو درحقیقت یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے اور مغفرت کی حد تک حج کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ آپ بے عیب حج کریں۔ بے عیب حج سے مراد یہ ہے کہ آدمی حج کے دوران میں ہر قسم کی برائیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ غیبت سے پرہیز کرے، گالی دینے سے اور باہم جھگڑا کرنے سے بچے۔

آدمی کو حج میں جو سب سے بڑی مشقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے مناسکِ حج کی ادائیگی میں قدم قدم پر رکاوٹوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں لاکھوں آدمیوں کو وہ مناسکِ حج ادا کرنا ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اس موقع پر لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے اور ہر کوئی ایک تگ و دو میں لگا ہوتا ہے اس لئے اس عالم میں ہر وقت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے دانستہ یا نادانستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا کسی کو اپنا کوئی کام انجام دینے میں زحمت پیش آئے اس لئے ایسے مواقع پر ہر شخص کو نہایت ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیئے اور کسی صورت میں بھی تنگ دلی اور تنک مزاجی کا مظاہرہ نہیں کرنا

چاہیئے۔ اس عالم میں اس بات کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے نفس پر ضبط کرے۔ باہم گالم گلوچ اور دنگا فساد سے پوری طرح بچے اور اس امر کی کوشش کرے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ البتہ اگر کسی کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ یہ کم سے کم وہ چیز ہے جو آدمی کے حج کو بے عیب بناتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ

"یعنی جو شخص حج کے مہینوں میں حج کی نیت کرے اُسے خبردار رہنا چاہیئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدکاری، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔"

حج کے دوران میں آدمی کا سب سے بڑا امتحان اسی معاملے میں ہوتا ہے اور جو آدمی حج میں لڑائی جھگڑا کرتا ہے، دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بنتا ہے اور دوسروں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر نہیں کرتا، وہ اپنے حج کے اجر کو بہت بڑی حد تک ضائع کر دیتا ہے۔

اس کے آگے اگر کوئی شخص خوبیوں والا حج کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کا ذکر کرنے میں صرف کرے۔ بیٹھا ہوا فضول گپیں نہ ہانکے۔ بیکار قصّہ گوئی نہ کرے۔ کسی کی بُرائی کرنا تو بڑی چیز ہے، محض دنیاوی معاملات پر ہر وقت باتیں کرتے رہنا بھی حج کے اجر و ثواب کو کم کر دیتا ہے۔ اونچے درجے کا خوبیوں والا حج اگر آپ کو مطلوب ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے اوقات کا زیادہ سے زیادہ حصّہ اللہ کا ذکر کرنے میں، نمازیں پڑھنے میں، قرآن

مجید کی تلاوت کرنے میں، نیکی اور بھلائی کی باتیں کرنے میں، لوگوں کو اللہ کا دین سمجھانے میں اور ان کو منکرات اور فواحش سے روکنے میں صرف کریں۔ اگر آپ ان کاموں میں اپنے اوقات صَرف کرتے ہوئے حج کریں گے تو انشاء اللہ وہ حج خوبیوں والا حج ہوگا اور اس پر آپ بہت بڑے اجر کے مستحق ہو سکیں گے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ حج کے وہ ضمنی فوائد کیا ہیں جو اس کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے آپ حاصل ہوتے ہیں میں یہ بات پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی عبادت فرض نہیں کی ہے جو اپنے اندر ہمارے لئے بے شمار فوائد نہ رکھتی ہو۔

اجتماعی طور پر حج سے جو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر عالمگیر برادری اور عالمگیر مساوات پیدا ہوتی ہے۔ اسی خانۂ کعبہ کے دروازے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اسی جگہ کھڑے ہوکر یہ اعلان فرمایا تھا کہ :

> "اے قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نحوست دور کردی ہے، اب نسبوں اور خاندانی اعزازات کے لئے کوئی مقام باقی نہیں رہا۔ اب یہاں حسب ونسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے تقوے کے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔"

یہ اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے فرمایا تھا اور اسی مقام پر سب سے بڑھ کر اس بات کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ تمام انسان یکساں ہیں۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ نہ یہاں کوئی امیر ہے نہ غریب۔ نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم۔ سب برابر ہیں۔ یہاں آتے ہی بلکہ اس خانۂ کعبہ سے میلوں دور میقات پر پہنچتے ہی ایک آدمی کو اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کا لباس

پہن لینا پڑتا ہے۔ خواہ کوئی افریقہ سے آرہا ہو یا امریکہ سے، ایشیا کے کسی دُور دراز گوشے سے آرہا ہو یا یورپ کے کسی دُور افتادہ مقام سے۔ جہاں سے بھی وہ آرہا ہو ہر شخص کو اپنا قومی لباس اتار کر صرف ایک احرام پہن لینا ہوتا ہے۔ اس طرح لباسوں کے اختلافات سے جو قومی امتیازات پیدا ہوتے ہیں وہ یکلخت ختم ہوجاتے ہیں۔ تمام مسلمان ایک ہی لباس میں حج کرتے ہیں۔ اس طرح یہاں ایک ایسی وحدت جنم لیتی ہے جو کسی دوسری تدبیر سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ یہ وحدت نہ تقریروں سے پیدا ہوسکتی ہے اور نہ کانفرنسیں منعقد کرنے سے۔ یہ صرف اسی عمل سے پیدا ہوسکتی ہے جو دنیا کے ہر حصّے سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان بیک وقت انجام دیتے ہیں کہ میقاتوں پر پہنچتے ہی وہ یکلخت اپنے قومی لباسوں کو چھوڑ کر ایک ہی لباس زیب تن کرلیتے ہیں۔

پھر یہ عمل محض عالم گیر اخوّت ہی پیدا نہیں کرتا بلکہ عالمگیر مساوات بھی پیدا کرتا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا رئیس ہو یا کہیں کا بادشاہ، کوئی فیلڈ مارشل ہو یا صدر مملکت، کوئی آقا ہو یا غلام، ہر ایک کو وہی ایک لباس پہننا پڑتا ہے جو اس کے لئے مقرر کردیا گیا ہے۔ ہر کوئی وہی ایک چادر باندھے گا اور ویسے ہی دوسری چادر اوپر سے اوڑھے گا۔ یہاں آ کر کسی کی کوئی امتیازی شان باقی نہیں رہتی۔ امیر اور غریب، حاکم اور محکوم، خادم اور مخدوم، ادنیٰ اور اعلیٰ سب برابر ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے دربار میں پہنچ کر کسی کی کوئی حیثیت بندۂ خدا ہونے کے سوا باقی نہیں رہتی۔ اس طرح سے جو مساوات یہاں قائم ہوتی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ دنیا کے کسی دین میں اور کسی اجتماعی مسلک میں کہیں کوئی ایسی تدبیر موجود نہیں ہے جو تمام انسانوں کو بیک وقت ایک سطح پر لاکھڑا کردیتی ہو۔ یہ بھی حج کی ایک ایسی بے نظیر خصوصیت ہے جس کے متعلق اگر ایک آدمی غور کرے تو اس کو محسوس ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے سوا اور کسی چیز کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ کوئی انسان ایسا نسخہ تجویز نہیں کرسکتا تھا جس سے تمام انسانوں کو ایک ہی سطح پر لانا اور ان کے درمیان

ایسی کامل مساوات قائم کرنا ممکن ہو سکے۔ اس ضمن میں اسلامی تاریخ سے بھی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہی مطاف ہے جہاں آپ حج کرتے ہیں۔ اسی جگہ قبیلۂ غسان کا ایک بادشاہ (جبلہ بن ایہم) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آیا اور یہاں طواف کرتے ہوئے ایک بدو کا پاؤں اس کی چادر پر پڑ گیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر اس بدو کے ایک تھپڑ مارا۔ وہ بدو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی فریاد لے کر گیا۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ اب وہ بدو اس بادشاہ کے اسی طرح تھپڑ لگا کر اپنا بدلہ لے۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بادشاہ کو یہ سبق سکھانا چاہا کہ کیا یہاں آ کر بھی تیرے دماغ میں بادشاہی کا فخر اور غرور باقی رہ گیا۔ تو نے خدا کے دربار میں آ کر بھی اپنے آپ کو بدو سے بالاتر سمجھا؟ یہ ہے وہ مساوات جو حج قائم کرتا ہے۔ یہاں اب بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بڑے سے بڑا رئیس اور غریب سے غریب آدمی ایک ہی طرح سے دھکے کھاتا ہوا حرم میں آتا ہے اور دھکے کھاتا ہوا خدا کے گھر کا طواف کرتا ہے، یہاں جس مقام پر بھی کسی شخص کو نماز کے لئے جگہ مل جائے وہ وہیں پڑھتا ہے۔ کوئی رئیس، کوئی فرمانروا اور کوئی صدر مملکت ایسا نہیں ہے جس کے لئے زبردستی آگے جانے کا راستہ بنایا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا راستہ بناتا ہے تو غلطی کرتا ہے، جرم کرتا ہے۔

پھر دنیا میں کہیں اس بات کی نظیر بھی موجود نہیں ہے کہ اس نوعیت کا بین الاقوامی اجتماع کسی قوم و ملت میں پایا جاتا ہو۔ ہزارہا برس کے بعد اب انسان نے اس زمانے میں لیگ آف نیشنز اور یونائیٹڈ نیشنز کا تصور سوچا ہے اور اس کی بنیاد پر بعض بین الاقوامی ادارے قائم کئے ہیں۔ لیکن خواہ آنجہانی لیگ آف نیشنز ہو یا موجودہ زمانے کے یونائیٹڈ نیشنز، ان میں ہونے والے بین الاقوامی اجتماعات میں اور حج کے بین الاقوامی اجتماع میں ایک بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ یونائیٹڈ نیشنز میں جو عالمگیر اجتماع ہوتا ہے وہ قوموں

کے نمائندوں، ان کے سیاسی لیڈروں اور حکمرانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں مفاد اور اغراض کی کشمکش کرتے ہیں۔ اس کا نام بین الاقوامی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ حقیقی معنوں میں بین الاقوامی اجتماع تو یہ ہے جو ہر سال حج پر یہاں ہوتا ہے، کہ اس کے اندر دنیا کی تمام قوموں کے عام آدمی کھنچ کر آتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ اور سب اجتماعی طور پر مختلف عبادات سرانجام دیتے ہیں، یہاں قوموں کے نمائندے، حکمران، سیاست داں اور پارلیمنٹوں کے ارکان نہیں آتے بلکہ عام انسان آتے ہیں اور دنیا کی ہر قوم کے عام انسانوں سے ملتے ہیں۔ بین الاقوامی اجتماع کا ایسا عظیم نقشہ اور کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

آخری بات جو میں آپ سے عرض کروں گا وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے اندر خانۂ کعبہ کی مثال وہی ہے جو انسان کے جسم میں دل کی ہوتی ہے۔ انسان کے جسم میں دل کا مقام یہ ہے کہ وہ رگ رگ سے خون کھینچ کر اپنی طرف لاتا اور پھر اس کو پمپ کر کے ایک صالح شکل میں انسان کے جسم کی رگ رگ میں واپس پہنچاتا ہے۔ جسد ملت کے لئے ایسا ہی عمل خانۂ کعبہ کرتا ہے۔ یہ ہر سال دنیا کے ہر گوشے سے مسلمانوں کو کھینچ کر لاتا ہے اور پھر ان کو گناہوں کی آلائشوں اور سیرت و کردار کی خامیوں سے پاک کر کے ان کے اندر ایک نئی اور صالح زندگی کی افزائش کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں واپس پہنچاتا ہے۔ اس دل کی یہ دھڑکن جب تک ہو رہی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو نہیں مٹا سکتی۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو ہر سال مسلمانوں کو کھینچ بلا کر ایک جگہ جمع کرتی ہے، ان کو ایک وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر رکھتی ہے۔ ان سے مختلف عبادات انجام دلاتی ہے اور ان عبادات کے دوران میں تمام اسلامی جذبات کو تازہ کر کے ایک متحرک اور فعال اسلامی روح ان کے اندر پھونک کر انہیں واپس بھیجتی ہے۔ جس طرح سے انسان کے جسم میں دل جب تک دھڑکتا رہتا ہے انسان کا جسم زندہ رہتا ہے، اسی طرح سے

یہ حج حقیقت میں دنیائے اسلام کے دل کی دھڑکن ہے جو خون کو کھینچ کر لا رہی ہے اور پھر اس کو صالح اور پاکیزہ بنا کر واپس پہنچا رہی ہے۔ یہ عمل جب تک جاری رہے گا انشاءاللہ قیامت تک اسلام قائم رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت خواہ وہ اپنا کتنا ہی زور صرف کر لے اس کو دنیا سے نہیں مٹا سکتی!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ